ڈاکٹر رخسانہ بلوچ

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد۔

عالمگیریت: تانیثی شعور کے تناظر میں

Globalization from a feminist perspective

Feminism is a philosophy /ideology in which the pivotal significance is given to identity /persona of a female. Patriarchal social setup is challenged. This philosophy is universally acknowledged in the literary fields of France, Britain, USA and Canada etc. In the 19th century, feminism has taken its proper shape in western literature. In Urdu literature, many renowned feminist writers especially Sara Shagufta, Kishwar Naheed and Fehmeeda Riaz etc have written about female feelings, passions, imaginations, sincerity, sacrifice and selfless love in their works. Unfortunately male chauvinism prevails in some countries which are backward and poor. That's why feminists reject and resist against male dominance. In short this research article discusses the universality from feminist perspective."

Key words: Feminism, Philosophy, Ideology, Pivotal, Challenged, Universal, Literature, Passions.

تانیثیت ایک ایسا فکری نظام ہے جس نے عورت کی ذات اور شناخت کو کلیدی اہمیت دی اور مرد اساس معاشرے کی بالادستی کو چیلنج کیا اس فکر کی بازگشت بین الاقوامی سطح پر کام کر رہی ہے۔ جن میں خاص فرانس، برطانیہ، شمالی امریکہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں قابل قدر ادبی خدمات انجام دی جا رہی ہیں۔ اُنیسویں صدی میں تانیثیت باقاعدہ مغربی ادب کا ایک اہم منفرد حصّہ اور مسلمہ حقیقت کی شکل میں ہمارے سامنے نظر آتی ہے۔ اردو ادب کی علم بردار خواتین بالخصوص سارا شگفتہ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور دیگر خواتین تخلیق کاروں نے تانیثی جذبات، تخیلات، احساسات، انانیت، خلوص و درد مندی، ایثار، مروت اور بے لوث محبت شعاری کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر اظہار کی پاکیزگی اور اسلوب کی ندرت کے معجز نما اثرات سے قوت ارادی بڑھادی۔ چاہے وہ کسی بھی پس ماندہ، غریب اور وسائل سے محروم ملک ہو۔ جہاں اب تک بد قسمتی سے جہالت نے مسلک کی

صورت اختیار کر لی۔ مردوں کی بالادستی، غلبے کے ماحول اور حریت فکر کی شمع فروزاں رکھی۔ جبر کے ہر انداز کو مسترد کیا اس تحقیقی مقالے میں عالمگیریت کو تانیثیتی فکر کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔"

کسے معلوم تھا کہ مادر سری معاشرہ اور پھر پدر سری معاشرہ ایک دن ایک دوسرے کو تہہ و بالا کرتے ہوئے دونوں صارفیت کے ترازو میں تل جائیں گے۔ عالمی گاؤں جس دور سے گزر رہا ہے، وہ صارفیت کا دور ہے۔ اس دور میں فرد کی بے چہرگی اور عدم شناخت ایک تشویشناک صورت حال اختیار کرتی جا رہی ہے اور ظالم اور سفاک استحصالی قوتیں مکر و فریب کا بے رنگ، بے ثمر اور بے اثر جال بنتی جا رہی ہیں۔ ایسے میں معاشرہ جو مردوں کی بالادستی کا غماز ہے، وہاں عورت کو اپنے وجود اور مسابقت کے لیے کوشش کرنا پڑ رہی ہے، حالانکہ دیکھا جائے تو صارفیت کے اس دور میں سب سے بڑا صارف عورت ہے۔ ایسے میں تانیثیت کی تحریک کو عالمی گاؤں کے کوشے کوشے تک پھیلنے سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔

اردو لفظ تانیثیت دراصل لفظ (Feminism) فیمنزم کا متبادل ہے۔ فیمنزم لاطینی لفظ (Femina) "فے مینا" سے مستعار ہے۔ یہ اصطلاح اب انگریزی میں ایک مخصوص معنی میں رائج ہے۔ جس کے معنی لاطینی میں "عورت"۔ فرانسیسی میں "عورتوں کے حقوق" اور انگریزی میں "جنسی برابری" کی تحریک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

یورپ میں تانیثیت کا غلغلہ پندرہویں صدی عیسوی میں اٹھا۔ اس میں مد و جزر کی کیفیت سامنے آتی رہی۔ یہ ٹھہرے پانی میں ایک پتھر کے مانند تھی اس کی دوسری لہر ۱۹۶۰ء میں اٹھی جب کہ تیسری لہر کے گرداب ۱۹۸۰ء میں دیکھے گئے۔ ان تمام حالات اور لہروں کا یہ موہوم مد و جزر اور جوار بھاٹا جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ گیا اس کا لب لباب یہ ہے کہ خواتین کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں حریت ضمیر سے جینے کی آزادی ملنی چاہیے۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے اور ہر قسم کی عصبیت سے گلو خلاصی حاصل کر لی جائے تو یہ بات ایک مسلمہ صداقت کے طور پر سامنے آتی ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے خواتین کو جس عزت، تکریم اور بلند مقام سے نوازا اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تانیثی تحریک اپنی بیش تر صورتوں میں صنفی مساوات کی دعویدار ہے۔ صنفی مساوات کے علمبرداروں میں میری وال سٹون کرافٹ (۱۷۵۹۔۱۷۹۷) جو کہ میری شیلی کی ماں تھی، کا نام سرفہرست ہے۔ وال سٹون

کرافٹ کی تصنیف (A vindication of the right of the women 1792) اس معنی میں پہلی تانیثی کتاب سمجھی جاتی ہے کہ مصنّفہ نے اسے ایڈمنڈ برک کی تصنیف (A vindication of the right of the men 1790) کے جواب میں قلم بند کی تھی۔ برک نے مردوں کے حقوق پر اصرار کیا تھا اور عورتوں پر اپنی بالادستی کے چلن کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ وال سٹون کرافٹ نے نہ صرف یہ کہ عورت کو محض سامان عیش ماننے سے انکار کیا بلکہ جنسی و صنفی تصوّرِ تفوق کو سختی کے ساتھ غیر فطری اور غیر منطقی نیز ایک سماجی دین ٹھہرایا۔ حقوق کے ضمن میں اس کا اصرار مساوات کے اس ڈھانچے پر تھا جسے مرد و عورت پر بغیر از تخصیص بلند و پست منطبق کیا جاسکے۔ مرد اساس ادارہ بندی پر یہ پہلی ضرب تھی۔

تانیثی تحریک کا نقش اوّل ایک خاتون کا مرہونِ قلم ہے جب کہ نقشِ دوم نتیجہ ہے جان اسٹوارٹ مل کا۔ مل نے انیسویں صدی کے اواخر میں ایک مقالہ بہ عنوان محکومیِ نسواں (On the subjugtion of women) لکھا جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مل نے دو متناقض پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی سعی کی تھی۔ عورت بہ حیثیت ایک مطیع، مغلوب اور تابعدار صنف کے اور اس کے مقابلے میں مرد جو تقریباً ہر شعبہ حیات و فکر میں بہ حیثیت ایک معائر ساز کے، کار کرد و سر کرد ہے اور عورت کی اس حیثیت کا ذمہ دار ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں مرد جہاں سرگرم اور اپنے وجود کی خود تصدیق ہے، خود گر و خود نگر ہے۔ عورت محض ایک دست نگر ہے جسے نہ تو اپنی شخصیت کو خود بنانے کا حق ہے اور نہ انفرادیت کی تشکیل و تکمیل میں وہ آزاد ہے۔ تاہم مل سیاسی سطح پر عورت کے حق کے لیے اپنی آواز بلند نہیں کر سکا کیوں سیاسی صورتِ حالات عورت کے حق میں نہیں تھی۔ اس طرح تانیثی ادب اور تنقید کا ایک وسیع تر سیاق ہے اور یہ سیاق گذشتہ تقریباً دو صدیوں پر محیط ہے۔ سیاسی و سماجی اعتبار سے انیسوی صدی کے آخر میں خواتین کے حقوق کی آواز بڑی تیزی کے ساتھ ایک تحریک میں بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انہی ادوار میں ایک ہلکی پھلکی خواتین کی عسکری تنظیم بھی قائم کر لی جاتی ہے۔ جس کا مقصد تخریب کاری کے ذریعے عوام کو خواتین کے سیاسی و سماجی مسائل کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور متنبہ بھی۔ اس تنظیم میں نوجوان لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ عرفِ عام میں غالباً مزاح کے طور پر انھیں (sufferagettes) یعنی حق رائے دہندگی کی خواستگار عورت کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہی نام اس کی شناخت بن گیا۔ جنگ عظیم کے دوران ان کے مطالبات پر سنجیدگی سے غور کیا جانے لگا اور انھیں بعد از جنگ حق رائے دہندگی تفویض کر دیا گیا۔ ۱۸۸۲

میں(Married Womans Property Act) پاس ہونے کے بعد خواتین کو ذاتی ملکیت کی خرید و فروخت کا بھی حق حاصل ہو گیا۔ مساویت کی کوششوں کی راہ میں ان کی یہ ایک بڑی جست تھی۔ اس جد و جہد کے حامیوں اور خیر خواہوں میں کئی ادیب بھی تھے۔ ۱۹۰۸ سیسلی ہیملٹن (۱۸۷۲۔۱۹۵۲)نے (Women writers Sufferage league) قائم کی جس کے اراکین میں صحافی ڈراما نگار اور کئی دانش ور تھے۔ الزبیتھ رابنس نے سی۔اے۔ ریمنڈ کے نام سے(Vote for women 1970) نام کا ڈراما اسٹیج کیا جو کافی مقبول ہوا۔ دیگر بنیاد گزاروں میں او شر ینیر، ایم سینکلیر، اے۔ می نیل، ایس گرانڈ آر ویسٹ اور وی ہنٹ کے نام شامل تھے۔ ان عسکری خواتین یعنی(sufferagists)اور ان کے مسائل کو کئی اہم ادیبوں صحافیوں اور رسائل نے اپنا موضوع بنایا۔ اس ضمن میں) Light and Days ور جینا وولف)Veronica Ann (ایچ۔ جی۔ ویلز (Cuttings Press)برناڈ شا) جیسی تصنیفات نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ پین کھرسٹ اور ای پیتھک لارنس نے تانیثی تحریک اور اس کے مطالبات، مقاصد، اور اقدامات پر کئی مضامین قلم بند کئے اسی دور میں The) (Womans sufferage journal Cause Votes اورcommon Womans Dreadnought) for women)نام کے جراید بھی منظر عام پر آئے اور بلاشبہ ان ادیبوں اور رسائل و جرائد نے عورتوں کے حقوق کی موافقت میں ایک مناسب فضا تیار کر دی۔

دوسری جنگ عظیم اور بالخصوص ۱۹۶۰ کے بعد سماجی انتہا پسندی کے فروغ کے ساتھ ساتویں دہائی میں تانیثی تحریک میں شدّت پیدا ہو گئی۔ آزادیِ خواتین سے مراد ان قوانین کی تشکیل اور نفاذ تھا جن میں سماجی اور اقتصادی برابری کی ضمانت دی گئی ہو۔ ان خواتین کا اصرار سیاسی مساوات پر بھی تھا۔ نیز مردوں کی اس ذہنیت کو تبدیل کرنے کے مطالبات بھی انھوں نے کیے جو عورت کو صدیوں سے نا اہل سمجھتی رہی ہے اور خود اس ذہنیت کی تشکیل میں صدیاں صرف ہوئی ہیں۔ اس تحریک کے نمائندوں میں محض عورتیں ہی نہیں تھیں، بلکہ ایسے مردوں کی بھی خاصی تعداد تھی جن کا تعلق سرگرم سیاست اور صحافت سے تھا یا وہ خود ادیب اور فن کار تھے۔ اب تانیثی تحریک محض چند آرٹیکلز اور خواتین کے حق میں لکھی ہوئی اکّا دکّا تصنیفات ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی گونج مجلس قانون ساز سے لے کر کافی ہاؤسوں، پارکوں، نکڑوں اور گھروں گھر سنائی دینے لگی تھی۔ آخر کار انگلستان میں ۱۹۷۵ میں ایک ایکٹ کے تحت ان تمام امتیازات کو غیر قانونی ٹھہرا دیا گیا جو صنف و جنس کے

لحاظ سے روزگار اور گھر دار میں بالخصوص اور ترقی کے مواقع میں بالعموم روا رکھے جاتے تھے۔ اس نئی تحریک نے عورت کو جنسی شے بنا کر پیش کرنے والوں پر بھی سخت وار کیے۔ بالخصوص اشتہاری کمپنیوں، ان کے ڈائرکٹروں اور خود ماڈلز کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ گھروں میں جو اس کی پانچویں سوار کی حیثیت ہے یا اسے مفعول و مجہول محض بنا کر رکھا جاتا ہے اس کے خلاف بھی پر زور احتجاج کیا گیا بلکہ جا بجا مذمّت و ملامت کی گئی۔ جنسی تخصیص و تشخص کے بر خلاف ان کا مطالبہ انھیں محض انسان سمجھنے کا تھا۔ جس طرح ایک عام سماجی فرد اپنی شخصیت کی آزادانہ تشکیل کرتا اور آزادیِ اظہار سے بہرہ ور ہوتا ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی بلا تخصیصِ جنس اپنی شخصیت آپ بنانے کی آزادی ہونی چاہیے۔ مروّج نظامِ اخلاق و تہذیب پر یہ ایک کاری ضرب تھی۔ اس طرح تانیثیت درجِ ذیل مروّج کلیوں کے رد سے عبارت ہے کہ :

۱۔ عورت بہ مقابلہ مرد کے ایک کمزور اور نازک جنس ہے۔

۲۔ عورت اور مرد کے مابین ایسی مخصوص حیاتیاتی عضویت کی تفریق ہے جس کی بنیاد پر انھیں دو علاحدہ علاحدہ خانوں اور درجوں میں رکھا جانا ضروری ہے۔

۳۔ مروّج صنفی تقسیم کے مطابق مرد و عورت کی کارکردگی، حتیٰ کہ پیشہ ورانہ کارکردگی کے دو نمایاں درجات ہیں۔ اگر مرد کا درجہ اوّل ہے تو عورت کا دوم۔ اسی نسبت سے وہ دوسری درجے کی شہری ہوئی اور اس کی ملازمتیں، پیشے اور کام بھی مخصوص بلکہ ثانوی درجے کے ٹھہرے۔

۴۔ اعصابی اور جسمانی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی اور عقلی سطح پر بھی دونوں اجناس دو مختلف حدود کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لیے تعلیم و تربیت کے شعبے مردوں اور عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔

۵۔ جذباتی، احتساسی اور احساساتی سطح پر بھی دونوں کے ردہائے عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۶۔ عورت ایک قابلِ رحم اور مجبور صنف ہے جسے ہمیشہ مردوں کے دستِ شفقت اور پناہ کی ضرورت ہے۔

۷۔ مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی سطحوں پر مرد اور عورت کے حقوق و فرائض کے درجے مختلف ہیں وہ کہیں داسی ہے، کہیں کنیز، کہیں کٹھ پتلی، کہیں ملکیت، کہیں نگر وَدھو، گویا وہ ایک شے:Commodity یا طبقے کی طرح ٹائپ ہے اور تابعداری جس کی تقدیر۔

تانیثیت کے مختلف رجحانات کی مختلف مفکرین نے اپنے طور پر درجہ بندی کی ہے۔ ماڈیلائن آرناٹ اور وینتر(Madeleine Arnot and Weiner-1986) نے تانیثیت پر بحث کرتے ہوئے اسے تین اہم

رجحانات کے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول وہ رجحان جس میں تعلیم کے حصول میں برابری کے حقوق کی بات پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے لیے روشن خیال تانیثیت (Liberal Feminism) کی اصطلاح وضع کی گئی۔ دوم پدرانہ رشتہ یا (Patriarchal Relation) کے خلاف آواز اٹھانے والے رجحان کو انتہا پسند تانیثیت (Radical Feminism) اور طبقہ، نسل، جنس اور ساخت کے نظریات کے تحت آواز بلند کرنے یعنی (Class, Race, Gender, Structure and Idiology) والے رجحان کو اس درجہ بندی میں (Lesbian) اور (Black Feminism) کو شامل نہیں کرنے کی وجہ سے ان کی کافی تنقید ہوئی۔

میزر اور سائکس (Measor and Sikes) نے اپنی کتاب جینڈر اینڈ اسکولنگ (Gender and Schooling) میں تانیثیت کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) روشن خیال تانثیت (Liberal Feminism) ۲) انتہا پسند تانیثیت (Radical Feminism) ۳) سوشلسٹ تانیثیت (Socialist Feminism) ۴) تحلیل نفسی تانیثیت (Psuchoanalytic Feminism)۔ ٹانگ (Tong) نے اپنی کتاب فیمنسٹ تھاٹ (Feminist Thought) جو ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے پیش لفظ میں تانیثیت کی سات شکلیں بتائی ہیں۔ (۱) روشن خیال (Liberal) ۲) انتہا پسند (Redical) ۳) تحلیل نفسی (Psychoanalytic) ۴) سوشلسٹ (Socialist) ۵) وجودیت پسند (Existentiallist) ۶) مابعد جدیدت (Postmodernism) اور (۷) پس ساختیات (Poststructuralism)۔

اس طرح ایک پس ساختیات (Poststructuralism) تانیثیت کا نظریہ بھی سامنے آیا۔ جس نے ثابت کیا کہ تانیثیت کی خانہ بندی کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ اس میں ہر وقت امیبا (Amoeba) جیسی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے لیے کبھی عورت (Woman)، نسوانیت (Womenism) اور کبھی فیمنیٹی (Feminity) یعنی تانیثیت یعنی (Feminism) کی اصطلاح کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے اور اس کی پر پیچ نوعیت نے عورتوں کے تولیدی سلسلے کو طبعی بنانے میں کافی مدد پہنچائی ہے۔ ہوکس (Hooks-1984) کے مطابق تانیثیت ہمیشہ ایک تشکیل پذیر نظریہ (Theory of Making) رہا ہے اور اس نے ہمیشہ تحقیق کے نئے امکانات کے لیے اپنے دامن کو کھلا رکھا ہے۔[1]

اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ کون تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض محققین کے نزدیک لطف النساء امتیاز کا مجموعہ ۱۷۹۶ء میں مرتب ہوچکا تھا اور مہ لقا چندا بائی کا دیوان ۱۷۹۸ء میں مرتب ہوا۔

اردو میں نسائی ادب کا باقاعدہ آغاز تذکرہ نگاری سے ہوا۔ نسائی تذکروں میں فصیح الدین رنج کا تذکرہ ''بہارستان ناز ''۱۸۶۴ء۔ عبدالحی صفا کا تذکرہ'' شمیم سخن''۱۸۸۲ء۔ اور درگا پرشاد نادر کا تذکرہ''چمن انداز''۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔ ان اولین تذکروں میں ہمیں شاعرات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان شاعرات میں زیادہ تر شاہی خاندان یا معزز خاندانوں کی شاعرات تھیں یا طوائفیں، عام عورت ان تذکروں میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ گویا متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی شاعرات کے لیے شاعری کرنا اس دور میں باعث ننگ تھا۔

انگریزوں کی آمد کے بعد جہاں مردوں کے لیے رسائل جاری ہوئے وہاں خواتین کے رسائل بھی الگ سے شائع ہونے لگے۔ سرسید کے ''تہذیب الاخلاق'' کے مقابلے میں امتیاز علی تاج کے والدین ممتاز علی اور ان کی بیگم محمدی بیگم نے ''تہذیب نسواں'' کی بنیاد ڈالی، جس کے ایک ہزار کے قریب شمارے نکالے گئے اور تہذیبی بہنوں کی باقاعدہ ایک انجمن بنائی گئی۔ راشد الخیری نے جہاں خود عورتوں کے لیے لکھا وہاں کئی رسائل بھی اپنی سرپرستی میں نکالے جن میں ''عصمت'' اور ''بنات'' قابل ذکر ہیں۔ ان رسائل میں بھی عورتیں زیادہ تر فرضی ناموں یا اپنے ناموں کے مخفف ہجوں میں اپنا نام لکھتی تھیں، جیسے ز۔ خ۔ ش (زاہدہ خاتون شروانیہ)۔ اس دور میں کئی خواتین فرضی اور حقیقی ناموں سے سامنے آئیں اور یوں متوسط طبقے کی خواتین کی ادب میں شمولیت کا دور شروع ہوا۔ ناول نگاروں میں الف۔ ض حسین بیگم نے ''روشنک بیگم''، عباسی بیگم نے ''زبیدہ بیگم''، طیبہ بیگم نے ''انوری بیگم'' اور ب سدید نے ''بیاض سحر'' کے نام سے ناول لکھے۔

اس دور میں جن رسائل و جرائد نے تعلیم نسواں کی تحریک کو فروغ دیا۔ ان میں محب حسن نے دکن سے ''معلم'' (۱۸۸۴ء)۔ شیخ عبداللہ نے علی گڑھ سے ''خاتون''۔ اسی طرح لاہور سے ''شریف بی بی'' (۱۹۰۹ء)۔ بھوپال سے ''الحجاب''۔ صغرا ہمایوں مرزا کا ''زیب النسا'' شامل ہیں۔

تعلیم نسواں کی تحریک کے سلسلے میں سید محمود اور جسٹس امیر علی نے عملی کام کیے وہاں سرسید کے اپنے رفقا نے ادب کا سہارا لے کر عورتوں کے مسائل پر توجہ مبذول کروائی اور بیداری کا پیغام دیا۔ نذیر احمد اور حالی اس حوالے سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

نذیر احمد دہلوی اردو کے پہلے ناول نگار ہیں عورتوں کی تعلیم کے لیے کام کرنے والے پہلے ادیب بھی ہیں۔ ان کے اولین ناول ''مراۃ العروس'' اور بنات النعش'' عورتوں کی تعلیم کی غرض سے ہی لکھے گئے۔ اسی عرصے

میں سرشار اور شرر بھی ناول نگاری کے میدان میں آئے اور عورتوں کی تعلیم کو موضوع بنایا۔ سرشار کے ناول "فسانہ آزاد" میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں مثبت خیال نظر آتے ہیں۔ شرر کے اگر چہ تاریخی ناول لکھے لیکن ان کا ناول "بدرالنسا کی مصیبت" عورتوں کی اصلاح اور پردے کی بے جا سختی پر لکھا گیا۔ حالی نے تعلیم نسواں کے موضوع پر کتاب "مجالس النسا" تحریر کی۔ ۱۸۷۰ء کی ایجوکیشنل کانفرنس میں حالی نے نظم "چپ کی داد" کے عنوان سے پڑھی اور اس میں عورتوں کی تعلیمی اور تہذیبی حالتِ زار کا نقشہ بڑی درد مندی سے کھینچا۔ سرسید احمد خان کے بعض دوسرے ساتھیوں ذکاالله، مولوی چراغ علی، محسن لملک اور شبلی نے بھی تعلیم نسواں کی حمایت میں مضامین لکھے اور تقاریر کیں۔ اسی دوارن علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تعلیم نسواں کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شیخ عبداللہ اور سجاد حیدر یلدرم نے اس سلسلے میں عملی کوشش کی۔ مقتدر خواتین نے بھی ایسے میں خواتین کی تعلیم وترقی کے لیے خاصہ کام کیا، جن میں بھوپال کی سلطان جہاں بیگم کا نام اہم ہے۔ سلطان جہاں بیگم نے تین مدرسے قائم کیے۔(۱)مدرسہ وکٹوریہ(۲)مدرسہ بلقیسیہ(۳)مدرسہ سلطانیہ۔[۲]

تعلیم نسواں کی تحریک کے نتیجے میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ سامنے آیا جو تعلیم یافتہ تھا۔ ان تعلیم یافتہ خواتین نے معاشرے کی دیگر خواتین کی بیداری اور اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور عورتوں کے شعور کی آبیاری کی جو بعد میں بیداری کی صورت میں نظر آئی۔ اس دور میں خواتین تخلیق کار شاید مروجہ اصطلاحی مفہوم (Feminist) نہ کہلائی جاسکیں کیونکہ نہ ہی ان کے خیالات کا انداز باغیانہ تھا اور نہ ہی یہ پدرسری معاشرے یا عورتوں کی محکومی کے خلاف آواز بلند کر رہی تھیں۔ ان کا مقصد تو صرف اس عہد میں اسلامی تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے نسوانی معاشرے کی اصلاح تھا۔ یہ عورتیں، معاشرے کی دوسری عورتوں کے ساتھ ایک نوعیت کا بہناپا رکھتی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ جس طرح ان کی زندگی تعلیم کے ذریعے تبدیل ہوگئی اسی طرح دوسری عورتوں کی زندگی بھی تبدیل ہوجائے۔ یوں لاشعوری طور پر سہی، وہ ایک بڑی تبدیلی کی خواہاں تھیں۔ وہ جانے انجانے میں مستقبل کی فیمنسٹ آوازوں کے لیے راہ ہموار کر رہی تھیں۔ اس دور میں شاعری سے زیادہ خواتین نے نثر کا میدان چنا، کیونکہ شاعری کا تعلق عموماً عشقیہ جذبات سے رہا ہے اس لیے خواتین کی شاعری ایک معیوب بات سمجھی جاتی تھی۔ یہ نظریہ متوسط درجے کی خواتین کے لیے تھا۔

نثر کے حوالے سے اس دور میں رشیدۃ النسا، محمدی بیگم، نذر سجاد، حمیدہ بانو، مسز عبداللہ سلطان بیگم، عطیہ فیضی، صغریٰ ہمایوں، کنیز فاطمہ، خجستہ اختر، ا۔ ض۔ حسن بیگم، بیگم شاہنواز، طیبہ بیگم، ضیا بیگم، صالحہ عابد حسین وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ان میں سے اکثر خواتین کا تعلق افسانوی نثر سے ہے۔

اس دور میں خواتین نے شاعری بھی کی۔ جن میں ز۔ خ۔ ش (زاہدہ خاتون شروانی، مسز ڈی برکت رائے جو راجہ کشن پرشاد کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ خدیجہ بیگم کا تعلق معزز سرحدی خاندان سے تھا۔ منجھو بیگم، رابعہ پنہاں وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ اس وقت معاشرے میں دقیانوسیت رائج تھی، شاعری کے میدان میں قدم رکھ کر گویا ان خواتین نے بغاوت کا پہلا قدم اٹھا دیا تھا۔ یہ بغاوت بعد میں ترقی پسند تحریک کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس رجعت پسندی کی مثال قمر زمانی بیگم کا مشہور واقعہ ہے کہ نیاز فتح پوری اس فرضی نام سے لکھتے رہے۔ (۳)

ترقی پسند تحریک میں سب اہم نام رشید جہاں کا ہے۔ تخلیقی حوالے سے افسانہ نگاری، ڈرامانویسی، صحافت اور مضمون نویسی سے وابستہ رہیں لیکن ان کی شناخت عموماً افسانے اور ڈرامے خصوصاً ''انگارے'' میں شامل ان کی تخلیقات دلی کی سیر (افسانہ) اور پردے کے پیچھے (ڈراما) کے حوالے سے ہوتی ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ان کی پہلی کتاب ''عورت اور دوسرے افسانے'' شائع ہوئی۔ ان کا دوسرا مجموعہ ''شعلہ جوالہ'' نعیم خان نے مرتب کیا۔ رشید جہاں کے دستیاب ڈراموں کی کل تعداد نو ہے۔ رشید جہاں کو فیمنسٹ کی پہلی چنگاری سمجھا جاسکتا ہے۔ رشید جہاں کو گمنام اور دھمکی آمیز خطوط بھی ملتے تھے۔ رشید جہاں گو اشتراکی اور باقاعدہ کیمونسٹ تحریک کے ساتھ وابستہ تھیں، لیکن ان کی کہانیوں میں سماج میں عورتوں اور مردوں کے لیے مروجہ دوالگ الگ معیاروں اور اخلاقی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۴)

خواتین اردو ادب میں تانیثیت کی سب سے پہلی واضح آواز عصمت چغتائی کی ہے۔ عصمت کا لب ولہجہ، ان کا آہنگ، ان کا انداز تحریر خالص تانیثی ہے۔ خواتین اردو ادب میں ان کی تحریریں تانیثی حسیت اور تانیثی شعور کے اظہار کا پہلا تجربہ ہیں۔ یہ تانیثی تجربہ بعد میں ہمیں ذکیہ مشہدی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، ممتاز شیریں، جیلانی بانو، بانو قدسیہ، فرخندہ لودھی، رضیہ فصیح احمد، بشریٰ رحمن، زاہدہ حنا اور صغرا مہدی میں بھی ملتا ہے۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد خواتین اردو ادب میں تانیثی رجحان بالکل واضح طور پر ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس ادب میں نسائی شناخت کے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ ان ادیباؤں کے تجربات، ردعمل اور نفسیات

ایک نئے لب و لہجے اور اسلوب میں ہمارے سامنے آرہے ہیں ۔اب کوئی موضوع شجر ممنوعہ نہیں رہا۔ اردو میں مختلف ادبی تحریکات، رجحانات اور نظریات کی طرح تانیثیت نے بھی نظم و نثر میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کرلی ہے جسے اب نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔اپنے انداز فکر اور لب ولہجہ کی بدولت اردو ادب میں تانیثیت اب اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے کہ نسائی ادب کے بغیر کوئی بھی ادبی تاریخ قرار نہیں پا سکتی ہے۔روز افزوں یہ رجحان استحکام پا رہا ہے۔ نظم و نثر دونوں ہی سطحوں پر خواتین قلم کاروں نے مختلف تخلیقات کے ذریعے اپنی شناخت قائم کرتے ہوئے معاشرے کو مزید بیدار کر دیا ہے۔

تانیثی زبان، اسلوب اور جملوں کی شناخت کا آغاز تو رشید جہاں اور عصمت چغتائی کے دور سے شروع ہوا تھا۔ قرۃ العین حیدر نے سماجیاتی، ثقافتی اور سیاسی و فلسفیانہ پس منظر میں اپنی تخلیقات رقم کیں۔ ساجدہ زیدی اور زاہدہ زیدی اور شفیق فاطمہ شعریٰ نے فلسفیانہ موضوعات کو اپنایا ہے۔خواتین کی تخلیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں خود بینی اور جہاں بینی کا ایک نیا انداز موجود ہے۔انھوں نے شجر ممنوعہ کو ہاتھ لگایا اور لکشمن ریکھائیں بھی پار کیں۔ پروفیسر صغریٰ مہدی اپنے مضمون ”قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں نسائی حسیت“ مشمولہ ”اردو میں نسائی ادب کا منظر نامہ“ میں کہتی ہیں:

> ”ہندوستان میں ۱۹۴۷ء کے بعد انقلاب اور کیمونزم کے زور و شور سے ہندوستان کے نچلے متوسط اور متوسط طبقے کی قدامت پرست خاندانوں کی لڑکیوں نے روایتی برقعہ اتار کر یمونزم کا برقعہ اوڑھ کر ہر قسم کی آزادی حاصل کر لی۔ معاشرے کے سب بندھنوں کو توڑ ڈالا اور وہ کامریڈ بن کر مرد کے ساتھ بظاہر ان کے برابر شانہ سے شانہ ملا کر چلنے لگیں، مگر اس میں بھی بالواسطہ مردوں نے عورتوں کو پیٹر نائز کیا ایسے کہ انھیں احساس بھی نہ ہوا۔“(۵)

عورتوں کی زبان بھی مردوں سے الگ ہے،اس سلسلے میں پہلا باقاعدہ کام مولوی سید احمد دہلوی نے ”لغات النسا“ کی صورت میں کیا۔ دوسرا اہم کام زباندانی یعنی اُردو زبان کے متعلق ضروری اور مفید معلومات ذخیرہ کے نام سے فضل الٰہی عارف نے کیا جسے اُردو اکیڈمی پنجاب، لوہاری دروازہ، لاہور (۱۹۴۰ء)نیدین محمدی الیکٹرک

پریس، سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔ لیکن اس سلسلے میں کسی عورت کا کام پہلی بار وحیدہ نسیم کی تصنیف ''عورت اور اردو زبان'' غضنفر اکیڈمی پاکستان کی طرف سے ۱۹۷۹ء میں سامنے آیا۔

مثلاً ٹوٹکے اور اوہام کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ہوش میں لانے کے لئے گلاب کا چھینٹا دیتے تھے اور کوری مٹی سنگھاتے تھے۔

(۲) آنچل کترنا: عورتیں جب کسی دوسری عورت پر ٹونا یا ٹوٹکا کرتی ہیں تو اس کے پہنے ہوئے کپڑے کا آنچل کتر کر یا تو اس کو مسان میں دفن کر دیتی ہیں یا مرگھٹ پر جلا دیتی ہیں تاکہ اس عورت کو اولاد کا ضیاع ہو۔

(۳) بال بچوں والی: اصلی معنوں سے ہٹ کر ہندوی عورتوں کا کنایہ ہے چیچک سے جس کو ستلا بھی کہتے ہیں۔ یہ بیماری کی دیوی کا نام ہے جس کو 'ماتا' بھی کہتے ہیں۔ اسی بنا پر ہندو عورتیں چیچک کا نام لینے کے بجائے اس کو ماتا یا بال بچوں والی کہتی ہیں، کیونکہ اس بیماری کا حملہ بال بچوں والے گھروں پر زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) پٹی سے لگ کر رونا: پاس بیٹھ کر رونا۔ چونکہ مردے کی پٹی سے لگ کر سوگوار روتے ہیں اس لئے پٹی سے لگ کر یا پلنگ کے پائے پر سر رکھ کر بیٹھنے کو عورتیں منحوس سمجھتی ہیں۔

(۵) تارے باندھنا: پانی کی جھڑی روکنے کے لئے ٹوٹکا کرتی ہیں۔

(۶) ٹھیکرے میں ڈالنا: ایک رسم تھی یعنی جس عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے وہ اپنے نوزائیدہ بچے کو ٹھیکرے میں ڈالتی ہے، دوسری اس کو چند پیسوں میں خرید کر گود لیتی ہے۔ بچوں کی زندگی کے لئے یہ بھی ایک ٹوٹکا ہے۔

(۷) ٹھیکرے کی مانگ: نوزائیدہ لڑکی کو جس وقت نہلایا جاتا تھا اس وقت دائی کے ٹھیکرے میں کوئی دوسری عورت چند پیسے ڈال کر لڑکی کو اپنے بچے کے لئے مانگ لیتی ہے اس طرح یہ منگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح عورتوں کی زبان کے کئی الفاظ، روزمرہ، محاورے، فقرے، اور مرادی معنی کا ایک جہان معنی آباد ہے:

* توا سر سے باندھنا * توے کا ہنسنا: * توے کی بوند * جلتے توے پر بیٹھنا * ٹیڑھے توے کی روٹی * ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی * سات تووں سے منہ کالا کرنا: کمال رسوائی۔ بدنامی * کڑاہی * کڑاہی میں ہاتھ ڈالو * چھاج * چھاج سی داڑھی * چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جس میں بہتر چھید * چھاج سے چھاجوں نور برسنا * چھاجوں مینہ برسنا * کلیجہ چھلنی ہونا * کان چھلنی ہونا * کالک * کالک لگنا * کالی ہانڈی پر سر رکھنا * جو ہانڈی میں ہو

گا ڈوئی میں نکل آئے گا* جس کے ہاتھ ڈوئی اس کا سب کوئی* چکنا گھڑا* پلی* چھینکا یا لٹکن* پھنکنی* چمٹا* لکھٹی یا لکٹی* صافی* اُولا* اجھیلنا* جھنوانا* ۔بسیدھا* آٹا آٹا ہونا* آٹے کی آپا* آٹے کا چراغ* آٹے میں نمک* آٹا بھگونا رسانا/ گوندھنا* آٹے کو مکی دینا/ آٹے میں لوچ دینا/ آٹے میں پانی لگانا* لسنگا* پیڑا* پلیتھن* پلیتھن نکلنا/ پلیتھن بگڑنا* آٹا گیلا ہونا۔

* روٹی پکانے کی اصطلاحات: روٹی بیلنا۔ روٹی بڑھانا۔ روٹی ڈالنا۔ روٹی پلٹنا۔ روٹی الٹنا۔ روٹی سینکنا۔ روٹی پر چتی پڑنا۔ روٹی پھولنا۔ روٹی جلنا۔ روٹی اتارنا۔ *بختریاں: مفت کی پکی پکائی روٹیاں۔ وہ روٹی جو پکانے والی ماما اپنے بچوں کے لئے چرا کرلے جائے۔اس جگہ' مامابختریاں' بھی بولتے ہیں۔*ماما بختریاں کھانا۔ اسی طرح بو کی مختلف حالتیں، سنسکرت الفاظ، تلفظ کی تبدیلی، نئے معنی، ترجمے، غلط ترکیبیں، مراد، گالیاں، کوسنے، ہمدردی کے الفاظ اور قسمیں، کلمات محبت اور دعائیں، زور بیان، عورتوں کا حساب کتاب، سنگھار، زیوارت، لباس کے ساتھ ساتھ عورتوں کی زبان کا ایک الگ جہان آباد ہے۔(۲)

شاعری میں ادا جعفری، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، سارہ شگفتہ، تنویر انجم، عذرا عباس، گلنار آفریں، رفعیہ شبنم عابدی، فرخ زہرا گیلانی، رضیہ کاظمی، فرزانہ اعجاز، نوشی گیلانی، زہرا نگاہ، اور شبنم شکیل جیسے کئی نام لیے جاسکتے ہیں۔

نسائی لب لہجے کو اپناتے ہوئے نسل نو کو تعلیم وتربیت کے ذریعے تہذیبی وثقافتی میراث کی منتقلی تانیثیت کا معجز نما اثر ہے۔ اس سلسلے میں خواتین نے بہت جگر کاوی کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھیں اس بات کا شدت سے احساس رہا ہے کہ تہذیبی وثقافتی اقدار وروایات کی نمو وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اس میں کسی کوتاہی کا ارتکاب ایک مہلک غلطی ہے جو انسان کو وحشت وبربریت کا شکار بنا سکتی ہے۔ محترمہ زاہدہ حنا نے نہایت دردمندی سے اس جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "ہمارے ہاں احتجاج کی جمہوری جدوجہد کی چھوٹی اور بڑی لہریں اٹھ رہی ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں وکٹر ہیوگو کی طرح ایسے ادیب موجود نہیں۔ ہمیں ایسے ادیبوں کی ضرورت ہے جو وکٹر ہیوگو کی طرح یہ کہہ سکیں کہ جبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والی آنکھ بن جاؤ جو عظیم کل پر جمی ہوئی ہے۔ ادیب اپنی تحریروں سے

سینے میں جمہوریت اور آزادی کی قندیل ہی روشن نہ کریں بلکہ اپنے ادب سے جمہوریت پسند لوگ بھی پیدا کریں کہ یہی لوگ انقلاب کا ہر اول دستہ بنتے ہیں۔" (۷)

خواتین نے ہر دور میں تاریخی آگہی اور عصری آگہی پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ ان کے ہاں معروضیت (Objectivity) کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ مابعد جدیدیت کی ایک پیچیدہ (Complex) صورت حال واضح دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان میں جب ۱۳ جون ۲۰۰۷ کو عدالتی بحران پیدا ہوا تو حساس تخلیق کار اس سے بہت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۳ جون ۲۰۰۷ء کو اس بحران کے حل کے لیے قانون دان طبقے کی اپیل پر لانگ مارچ ہوا۔ محترمہ کشور ناہید نے حرف صداقت لکھنا اپنا شعار بنایا ہے۔ ان کی تحریر میں مادر وطن سے محبت صاف جھلک رہی ہے جو کہ تانیثیت کا اہم ترین وصف ہے اور یہی ان کے اسلوب کا امتیازی وصف ہے۔ اس تحریر میں انھوں نے عدلیہ پر شب خون مارنے اور انصاف کی پامالی کے مرتکب آمروں کے اقدامات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے انھیں ہدف تنقید بنایا ہے۔ عوامی شعور و آگہی کو مہمیز کرنے کے سلسلے میں یہ انداز تحریر بانگ درا کی حیثیت رکھتا ہے۔ "پشاور سے ملیر کراچی تک ہر شہر کے لوگوں کے چہرے کہہ رہے تھے فیض صاحب آپ نے تو کہا تھا، "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" آپ نے تو کہا تھا، " لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے" اب آپ بتائیں، ہم نے تو حوصلہ کیا۔ اعلان کیا، مظاہرہ کیا، تو اب فیض صاحب بتائیں منافق کون ہے؟" (۸)

ہمارے معاشرے میں تانیثیت ابھی مذہب کی ڈور سے بندھی ہوئی ہے، اس میں مرد کی چار شادیوں کے جواب میں عورت کی چار شادیوں کی عملی آزادی اس طرح سے حاصل نہیں ہو سکتی، جیسے مغرب میں ہے۔ لیکن فکر کی آزادی بہر طور اب ہمارے معاشرے میں بھی عورت کو حاصل ہے۔ اس کا اظہار ہمیں راشد کی طرح خواتین کی شاعری میں بھی جنسی معاملات کا بے باکانہ اظہار اور تصور گناہ کی تشریحِ نو کی صورت میں ملتا ہے۔

حوالہ جات

1. S.Walby, Feminist Thory, Routledge, London.2000

۲۔ سیمیں ثمر فضل،ڈاکٹر،ہندوستانی مسلم خواتین کی جدید تعلیمی ترقی میں ابتدائی اردو ناول کا حصہ،کلکتہ: آبادی پبلی کیشن،۱۹۹۱ء،ص۱۱۸

۳۔ قمر زمانی بیگم،فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،لاہور:ادارہ مصنفین،۱۹۷۱ء

۴۔ شاہدہ بانو،ڈاکٹر،ڈاکٹر رشید جہاں:حیات اور کارنامے،لکھنؤ:مطبع ندارد،۱۹۹۰ء،ص۲۵۳

۵۔ قیصر جہاں،(مرتب)اردو میں نسائی ادب کا منظر نامہ،علی گڑھ:شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ، جولائی ۲۰۰۴ء،ص۱۷۳

۶۔ وحیدہ نسیم،عورت اور اردو زبان،غضنفر اکیڈمی پاکستان،اشاعت اوّل،۱۹۷۹ء،ص۳۲۵

۷۔ زاہدہ حنا:انصاف کا نڈر محافظ،مضمون مشمولہ روزنامہ ایکسپریس،فیصل آباد۱۸جون،۲۰۰۸،صفحہ ۱۲

۸۔ کشور ناہید:"عوام اور وکلا سرخرو ہیں" مشمولہ روزنامہ جنگ،لاہور۱۵جون۲۰۰۸صفحہ ۹